محمد ایوب قادری

تحریکِ پاکستان کا پس منظر

برصغیر پاک و ہند میں انگریز تاجر کی حیثیت سے داخل ہوئے لیکن آہستہ آہستہ وہ اس ملک کے مالک و مختار بن بیٹھے۔ دہلی کی مرکزی حکومت کی کمزوری اور صوبوں کی خود مختاری کی وجہ سے غیر مسلم طاقتوں یعنی مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں اور انگریزوں کو ابھرنے کا موقع ملا۔ ان میں آخر الذکر انگریز سب سے زیادہ طاقتور ثابت ہوئے۔ انگریزوں نے اس ملک پر قبضہ کرنے میں ہر قسم کی دھاندلی، بے ایمانی، دجل، فریب اور مکاری کو روا رکھا۔ تاریخ کے اوراق اس مہذب قوم کی بے ایمانیوں کے کارناموں سے بھرے پڑے ہیں۔ اگرچہ انفرادی طور سے مسلم حکمرانوں نے انگریزوں کے مقابلے میں ہاتھ پیر مارے مگر وہ اس سیلابِ عظیم کا مقابلہ نہ کر سکے۔ نہ ان میں اتحاد نہ اتفاق تھا نہ ذرائع و وسائل۔ وہ عصرِ حاضر کے حالات و واقعات پر بھی کما حقہ نظر نہیں رکھتے تھے۔ سراج الدولہ کے مقابلے میں میر جعفر اور ٹیپو سلطان کے ساتھیوں میں میر صادق کو انگریزوں نے خرید لیا۔ شجاع الدولہ کو مدد دے کر روہیل کھنڈ اور فرخ آباد کی مسلم ریاستوں کا خاتمہ کرایا اور آخر میں اودھ کی حکومت کو بھی ہڑپ کر لیا۔ تا آنکہ ۱۸۵۸ء میں برصغیر پاک و ہند پورے طور سے براہِ راست تاجِ برطانیہ کے زیرِ نگیں آگیا۔ کاش اس زمانے میں یہ مسلم امرا و رؤسا متحد و متفق ہو کر انگریزوں کے خلاف کوئی ایسا متحدہ محاذ بناتے جیسا کہ ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں کے خلاف بنایا تھا اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتے۔

مسلمانوں کو سیاسی زوال اور انگریزوں کے اقتدار کے بعد بھی مسلمانوں نے علمی، ذہنی اور فکری طور سے شکست قبول نہیں کی۔ ان کو اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کا احساس تھا۔ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوا مگر بادشاہ قلعۂ معلی کا مالک و مختار رہا۔ اس زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے فرزندِ اکبر شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ایک انقلاب آفریں قدم اٹھایا جس سے ملتِ اسلامیہ ہند میں حرارتِ عمل پیدا ہوئی اور انگریزوں کے نظامِ حکومت میں اضمحلال پیدا ہوا۔ اشارہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے مشہور فتویٰ دار الحرب کی طرف ہے جس نے مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دی۔ غیر ملکی حکومت کے قیام کے بعد ان کی کیا حیثیت ہے؟ ان کا مستقبل کیا ہے؟ اور کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کے کیا امکانات ہیں؟ اس فتوے کی خاطر خواہ نشر و اشاعت ہوئی تاکہ

اس فتویٰ دارالحرب کی صدائے بازگشت حدودِ سندھ تک پہنچی اور شہر ٹھٹھہ میں اس کا اعلان عام ہوا۔ علمائے ٹھٹھہ وغیرہ نے اس فتویٰ کے حوالے سے دیارِ سندھ کو دارالحرب قرار دیا۔ ہمارے پاس علمائے سندھ کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ قلمی صورت میں محفوظ ہے۔ جس میں اس زمانے کے ممتاز علما مخدوم ابراہیم تتوی، مخدوم غلام محمد تتوی، میاں عبداللہ چوٹیاری اور مخدوم عبدالرحیم ساکن کوٹ عالم کے فتوے نقل ہیں جن کی رُو سے ان علما نے ہندو سندھ کو دارالحرب قرار دیا۔ مخدوم غلام محمد تتوی لکھتے ہیں:

"سندھ اور قرب وجوار کے جن شہروں میں ہم رہتے ہیں ان میں فرنگی کافروں کا قبضہ ہو گیا ہے اور یہ بھی بلاشبہ دارالحرب ہو گئے ہیں۔"

مخدوم عبدالرحیم ساکن کوٹ عالم لکھتے ہیں:

"اب تو اس ملک سندھ کو دارالحرب کہنا چاہیے اور جو تحریریں علمائے ہند کی نگر (ٹھٹھہ) میں موجود ہیں اگر وہ دیکھیں تو ہرگز سندھ کو دارالاسلام نہ کہیں۔"

مسلمانوں نے اس فتویٰ دارالحرب سے خوب کام لیا۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ مجاہدین اور حاجی شریعت اللہ کی فرائضی تحریک اس فتویٰ کا عملی مظہر ہیں بلکہ ان تحریکوں سے قبل بھی کہیں کہیں اس فتوے کے عملی مظاہرے ملتے ہیں۔ ۱۸۱۶ء میں جب انگریزوں نے باشندگان بریلی (روہیل کھنڈ) پر ہاؤس ٹیکس عائد کیا تو انھوں نے ٹیکس دینے سے انکار کر دیا اور انگریزوں کے خلاف مفتی محمد عوض، مفتی شہر کی قیادت میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ سید احمد شہیدؒ اور اسماعیل شہید کی تحریک نے ملک گیر بیداری پیدا کر دی۔ بنگال، یاغستان اور دہلی سے مدراس تک اس کے مراکز قائم ہو گئے۔ نامور علما، بیدار مغز زمیندار، حساس اور مسلم عوام اس تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ شہیدوں کے علاوہ بہت سے نامور علما نے اس تحریک کی کامیابی کے لیے ہر طرح کی کوشش کی اور ہر امتحان و آزمائش میں ثابت قدم رہے۔ اس زمانے میں پنجاب سرحد میں سکھوں کی حکومت قائم تھی، انھوں نے اس علاقے کے مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کر دی تھیں مسلمان بُری طرح سکھوں کے مظالم کا شکار تھے۔ تحریک مجاہدین کے قائدین نے منصوبہ بنایا کہ اس علاقے میں سکھا شاہی کو ختم کر کے اسلامی حکومت قائم کی جائے اور اس علاقے میں قیام و استحکام کے بعد انگریزی اقتدار کو چیلنج کیا جائے۔ اس کے قرائن و شواہد موجود ہیں مگر اپنوں کے عدم تعاون و مخالفت اور غیروں کی حکمت عملی اور کامیابی کی وجہ سے یہ منصوبہ عملی شکل اختیار نہ کر سکا اور ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء

ٹ کے کوہساروں میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی نے جامِ شہادت نوش کیا۔ مگر اس ناکامی وجود بھی قافلہ مجاہدین کی خاکستر میں ایک چنگاری بھڑکتی رہی جس نے وقتاً فوقتاً برطانوی خرمنِ اقتدار ا تے کا کام کیا اس تحریک کے باقی ماندہ حضرات بنگال، بہار، یوپی، دہلی، مدراس، بمبئی، پنجاب میں اپنا کام کرتے رہے۔ یاغستان (چمرکنڈ) میں انھوں نے اپنا مرکز قائم کر رکھا تھا جہاں مجاہدین کو ن ملک سے ہر قسم کی مدد پہنچتی رہتی تھی اور علمائے صادق پور قیادت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ جنگ ا ۱۸۶۴ء میں اس تحریک کی کامیابی دیکھ کر انگریز چیخ اٹھا اور اس نے مجاہدین پر ناقابلِ برداشت ڈھائے۔ پھانسی، حبسِ دوام بعبور دریائے شور، املاک و جائداد کی ضبطی اور قید و بند کی سزائیں ان پر روا رکھیں۔

اسی زمانے میں بنگال میں حاجی شریعت اللہ نے انگریزی اقتدار کو "دار الحرب" کے فتوے کی روشنی میں ع کیا اور انگریز اور ہندو استعمار کے خلاف عوامی محاذ قائم کیا، اس تحریک سے حکومت کا شعبہ مالیات ا متاثر ہوا۔ حاجی شریعت اللہ کے بعد ان کے جانشین محسن میاں اور تیتو میر نے اس تحریک کو آگے ا یا مگر انگریز نے ظلم و جبر اور ہندوؤں کے گٹھ جوڑ سے اس تحریک کو دبا دیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے اپنی کوششوں کا آخری بھرپور مظاہرہ کیا بظاہر قیادت کے مظہر در شاہ ظفر، برجیس قدر و ممتاز محل (ملکہ اودھ)، نواب خان بہادر خاں (روہیل کھنڈ)، نواب محمود خاں یب آباد)، نواب تفضل حسین خاں (فرخ آباد) وغیرہ تھے مگر تحریک کے اصل بانی اور اس کو آخری شکل ینے والے وہ علماء و مشائخ تھے جن میں مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی، امام المجاہدین مولوی سرفراز علی گورکھپوری، لانا لیاقت علی الہ آبادی اور عظیم اللہ خاں کانپوری سرفہرست ہیں اور مقامی طور پر بھی ہر جگہ کے علماء و مشائخ ے بالعموم اس تحریک میں حصہ لیا اور اس کے عواقب و نتائج بھی بھگتے۔

شاہ عبدالعزیز کے بعد ان کے جانشین ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق ہوئے جو ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں ندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کر گئے مگر ان کے تلامذہ نے ان کی تحریک کو جاری رکھا۔ ان کے شاگردوں میں شاہ عبدالغنی مجددی، مفتی عنایت احمد، مولانا نواب قطب الدین اور مولانا احمد علی سہارنپوری خاص طور سے ابلِ ذکر ہیں۔ ان ارکانِ اربعہ نے مسلمانوں کی مذہبی، علمی، تہذیبی، معاشرتی اور ثقافتی اصلاح کا ایک جامع منصوبہ بنایا۔ شاہ عبدالغنی نے شاہ اسحاق کے جانشین کی حیثیت سے علمِ حدیث کی درس و تدریس اور نشر و اشاعت کا کام کیا۔ ان کے تلامذہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی ایسے علماء رہے ہیں گویا ان کا فیض

دارالعلوم دیوبند کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مفتی عنایت احمد نے مذہبی و اصلاحی لٹریچر اردو زبان میں پیش کیا، مفتی صاحب اور ان کے رفقا کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ انھوں نے ۱۲۷۱ھ/۵۵-۱۸۵۴ء میں بریلی (روہیل کھنڈ) میں مسلمانوں کی ایک نیم سیاسی اور اصلاحی انجمن بنائی جس کا مقصد مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ تنظیم تھی جس نے اجتماعی طور پر اصلاح کا کام شروع کیا۔ مفتی عنایت احمد، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نامور قائد و رہنما تھے لہٰذا انھیں کالے پانی کی سزا ہوئی۔ مفتی صاحب نے جزائر انڈیمان سے ۱۲۷۹ھ میں واپس آکر کانپور میں مدرسہ فیض عام جاری کیا۔ جس کا فیض بقول مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ندوۃ العلما کی شکل میں ظاہر ہوا۔

انگریز قوم بڑی بالغ نظر ہے۔ اس نے ہندوستانیوں کے افکار و خیالات کی تبدیلی ضروری سمجھی۔ اس لیے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دیا اور مغربی علوم و فنون کی اشاعت کے لیے ادارے قائم کیے۔ ان تمام اداروں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ سرکاری سرپرستی حاصل رہی۔ مختلف علمی انجمنیں، سوسائٹیاں اور ادارے اسی منصوبے کے تحت عمل میں آئے۔ مسلمانوں میں براہ راست مغربی علوم و فنون کی اشاعت کے لیے مشہور دہلی کالج اور مدرسہ عالیہ کلکتہ وغیرہ سرکاری انتظام میں لے لیے گئے تھے۔ شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ عیسائیت کی کھلم کھلا تبلیغ اور مناظرے بازی ناکام ہو چکی تھی لہٰذا حریف نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ ساتھ ہی ساتھ حکومت نے مسلمانوں کے ذہین اور صاحب علم و فضل طبقے کو سرکاری خدمات کے لیے حاصل کیا۔ اور اس طرح بہت سے اعاظم و افاضل نے منصب افتا اور قضا و صدرالصدور وغیرہ کے ذریعے سرکار کمپنی کے انتظام و اقتدار کو بحال اور مضبوط تر کیا۔

تحریک مجاہدین، فرائضی تحریک اور انفرادی تبلیغ میں اس زمانے میں دارالحرب اور جہاد کا مسئلہ نہایت اہم تھا۔ انگریز نے پورے طور سے یہ کوشش کی کہ کسی طرح مسلمانوں کی توجہ ان مسائل سے ہٹائی جائے۔ اس کے لیے اس نے جہاں علمی اور تعلیمی ادارے قائم کیے وہیں مسلمانوں کے اندر جماعتی اور انفرادی کوششوں سے اس امر کی پوری نشر و اشاعت کرائی کہ ہندوستان دارالامن ہے اور انگریز سے جہاد ضروری نہیں، اس طرح متحد و منظم مسلم معاشرے میں دھڑے بندیاں قائم ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ غیر ملکی اقتدار کے لیے یہ سب چیزیں مناسب اور مفید تھیں۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں پر دل کھول کر مظالم کیے اور ان سے خوب انتقام لیا کیونکہ اس انقلاب کے بڑی حد تک ذمہ دار مسلمان تھے۔ اس مہذب انگریز قوم نے کون سا ایسا ظلم و جبر

تھا اور کونسی ایسی سزا تھی جو مسلمانوں پر روا نہ رکھی۔ پھانسیاں دی گئیں۔ توپوں سے اڑائے گئے۔ حبسِ دوام بعبورِ دریائے شور کی سزا دی گئی۔ جلاوطن کیے گئے۔ املاک و جائداد ضبط ہوئیں۔ ان مظالم پر خود انگریزوں کا ریکارڈ شاہد ہے۔ اس سلسلے میں صرف ایک حوالہ "دی آؤٹ سائڈ آف دی میڈل" (انقلاب کا دوسرا رخ) کافی ہے۔ اس کے برخلاف ہندوؤں نے انگریزی حکومت کو لبیک کہا۔ انگریزی تعلیم حاصل کر کے حکومت کی ملازمتیں حاصل کیں اور انگریزی حکومت کے معین و مددگار ہوئے اور مسلمانوں کے مقابلے میں انگریزی حکومت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کیا۔ چنانچہ اب سرسید احمد خاں کی سیاست کا دور شروع ہوا۔ انھوں نے "رخصت" سے کام لیا اور زور دیا کہ مسلمانوں کو انگریزی زبان اور مغربی علوم و فنون پڑھنے چاہئیں۔ انگریزی حکومت کے قریب آنا چاہیے اور سیاست سے مسلمانوں کو کلیتاً علیحدہ رہنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے علی گڑھ میں کالج قائم کیا۔ جس نے مسلمانوں کی ذہنی و فکری بیداری میں اہم کردار ادا کیا اور ملک میں "علی گڑھ تحریک" کے نام سے ایک تحریک برپا ہو گئی۔ اس کے اثرات سندھ و بنگال تک پہنچے۔ سندھ میں سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی قائم ہوا۔ جس کے ایک طالب علم قائداعظم محمد علی جناح بھی رہے ہیں اور بنگال میں مدرسہ عالیہ کلکتہ اور ہگلی کالج (انگریزی شعبہ) قائم ہوئے۔

سرسید احمد خاں کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں میں "مسلم قومیت" کا احساس بیدار کیا۔ ۱۸۶۷ء میں ہندوؤں نے عدالتوں میں اردو زبان کی بجائے ہندی کو رواج دینے کی کوشش کی اور انگریزی حکومت کو مجبور کیا تو سرسید احمد خاں ہندوؤں کے ارادے بھانپ گئے اور انھوں نے مسلمانوں کی علیحدہ قومی تنظیم پر زور دیا۔ جب ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز افسر مسٹر ایلن ہیوم کے ذریعہ کانگرس کا قیام عمل میں آیا اور اس میں نیابتی طرزِ حکومت کا خاص طور سے مطالبہ کیا گیا تو سرسید احمد خاں نے اس کی مخالفت کی کیونکہ مسلمان ہندوؤں کے مقابلے میں ایک اقلیت محض تھے۔ ظاہر ہے اس طرح ہر حال میں ہندوؤں کا پلہ بھاری رہتا۔ سرسید احمد خاں نے دوسرے ہی سال ۱۸۸۶ء میں آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانگرس قائم کر دی۔ (جس کا نام بعد میں ایجوکیشنل کانفرنس ہو گیا) اور مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ مسلمان اپنی سرگرمیاں تعلیمی اور اصلاحی حد تک محدود رکھیں۔ چنانچہ علی گڑھ کالج کے انداز پر پورے ملک میں تعلیمی ادارے قائم ہونے لگے۔ اسلامیہ کالج پشاور اسلامیہ کالج لاہور انجمن حمایت الاسلام لاہور کے تعلیمی ادارے بلکہ اسی انداز پر بڑے بڑے شہروں میں مسلمانوں کے اسلامیہ سکول اور اسلامیہ کالج قائم ہوئے اور کانفرنس کی کوششیں علی گڑھ یونیورسٹی، ڈھاکہ یونیورسٹی اور عثمانیہ یونیورسٹی (حیدر آباد

ے کے قیام میں مددگار ثابت ہوئیں۔

انگریزی حکومت نے ہندوستانیوں کے مطالبے اور حالات کے تقاضوں کی بنا پر "اصلاحات" کے عنوان سے ی حقوق دینے شروع کیے۔ ہندو بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے اکثریت کے زعم میں ہندوستان میں بلا شرکت ے انگریزوں کی سرپرستی میں قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا، انگریز کے اشارے پر ملک میں برہمو سماج اور یہ سماج وغیرہ تحریکیں ہندوؤں کی قومی، مذہبی اور سیاسی بیداری کا کام کر رہی تھیں کہ اس رنگ کو تلک بنگالیوں کی جارحانہ تحریکوں نے اور بھی چوکھا کر دیا۔ گنپتی کا تیوہار اور کالی دیوی کے جلوس باقاعدہ مسلمانوں لاف جارحانہ تحریکیں تھیں جنھوں نے بعد کو جن سنگھ اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی شکلیں اختیار کر لیں۔

ہندوؤں کی ان نیم فوجی تنظیموں کے نتیجے میں ہندوستان میں ملک گیر ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع یا اور ہر نزاعی موقع پر انگریز کی ترازو کا پلڑا ہندو کی طرف جھکتا تھا یہاں تک کہ بہار اور یو۔پی میں انگریز زوں نے کھلم کھلا ہندی کی حمایت کی۔ اب مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا لم لیگ تنظیم قائم کی اور اپنے مستقل وجود کی بقا کے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا اور اس طرح ان کا نقل قومی وجود قائم ہوا۔ تقسیم بنگال (۱۹۰۵ء) کے بعد ہندوؤں کی چیرہ دستیاں بہت بڑھ گئی تھیں، نکہ ۱۹۱۱ء میں بنگال کی تقسیم منسوخ ہو گئی، جس سے مسلمانانِ بنگال کو خاصا نقصان ہوا۔ ۱۹۱۲ء میں ان کی جنگ شروع ہو گئی اور علی گڑھ کالج سے "بلقان چلو بلقان چلو" کا نعرہ بلند ہوا۔ مولانا محمد علی شوکت علی میدانِ سیاست میں آ چکے تھے۔ ڈاکٹر انصاری کی قیادت میں ایک وفد ترکی گیا، ۱۹۱۳ء میں نپور کی مسجد کا المناک واقعہ ظہور پذیر ہوا جس میں سینکڑوں مسلمان شہید ہوئے اور "کشتگانِ معرکہ کانپور" کے آہ و نالہ سے سارا برصغیر گونج اٹھا۔ ملک میں آگ سی لگ گئی اور اس موقع پر مولانا عبدالباری نگی محلی نے خاص طور سے قیادت کی۔ ۱۹۱۳ء ہی میں قائد اعظم محمد علی جناح مسلم لیگ کے بھی باقاعدہ ممبر بن گئے

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول چھڑ گئی۔ ۱۹۱۶ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کی صدارت میں لکھنؤ میں مسلم لیگ اجلاس ہوا جس کا معاہدہ سیاستِ ہند میں "میثاق لکھنؤ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میثاق کے ور رس نتائج نکلے۔ اسی زمانے میں ریشمی رومال کی تحریک کام کر رہی تھی جس کے قائد دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن تھے اور نہایت اہم کارکن مولانا عبید اللہ سندھی تھے۔ انگریزوں نے شریف مکہ کی سازش سے مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عزیر گل کو گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا۔ ۱۹۱۸ء میں

جنگ کے خاتمہ پر فاتح اتحادیوں نے ترکی کے حصے بخرے کر ڈالے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس سے سخت دھچکا لگا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد ہندوستان میں سیاسی حقوق کے مطالبے ہونے لگے۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ امرتسر کے اندوہناک واقعے نے سارے ملک بالخصوص پنجاب میں آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔

اسی زمانے میں جمعیۃ العلما اور خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ترکِ موالات کی تحریک نے انگریزی اقتدار کی جڑیں ہلا دیں۔ علما کا "متفقہ فتویٰ" اس سلسلے میں ایک اہم دستاویز ہے جس پر ہندوستان کے سینکڑوں علما کے دستخط تھے۔ انگریز نے توڑ کے لیے اپنی تائید میں جوابی فتوے تیار کرائے جو حکومت کے ایما سے لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہوئے۔ اس کے بعد حکومت کے اشارے پر مشہور آریہ سماجی لیڈر شردھانند نے مسلمانوں کے خلاف ملک میں شدھی اور سنگٹھن کی تحریک شروع کی جس سے ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہندوؤں کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کا عام اعلان اور واضح اظہار ہونے لگا۔ سائمن کمیشن اور نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور مولانا محمد علی جیسا روادار شخص بھی "کانگریس اور بالو" کو چھوڑ بیٹھا۔

۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں انھوں نے ہندوستان میں مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلم آزاد حکومت کا مطالبہ کیا گویا یہ پاکستان کے مطالبہ کا آغاز تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح ہندوستان کے حالات سے ناامید ہو کر لندن چلے گئے اور وہیں مستقل قیام کا ارادہ کیا۔ گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا۔ اس وقت علامہ اقبال نے بالخصوص قائد اعظم محمد علی جناح سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کی قیادت کے لیے آئیں۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں قائد اعظم ہندوستان آئے۔

۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے نتیجے میں اکثر صوبوں میں کانگریسی وزارتیں بنیں۔ کانگریس نے اپنے دو ڈھائی سالہ دورِ حکومت میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ ہندو تمدن و تہذیب کا احیا، ہندی کی نشر و اشاعت، بندے ماترم کا نعرہ، ودیا مندر سکیم، گاؤکشی پر پابندی، بقرعید پر ہنگامے، فسادات کی کثرت، خاص طور سے اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کو خوب پریشان کیا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کا قائد اعظم کی صدارت میں اجلاس ہوا اس کے بعد مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا گیا۔ کانگریس کی مسلم کش پالیسی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ پیرپور رپورٹ نے کانگریس کے مظالم طشت از بام کر دیے۔ ۱۹۳۸ء میں پٹنہ میں مسلم لیگ کا عظیم الشان اجلاس ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے پر کانگریسی وزارتیں برطرف

ہوگئیں اور قائداعظم کی تحریک پر یوم نجات منایا گیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی تاکہ مسلمان آزاد ملک میں اپنے مذہب، زبان، ثقافت کا تحفظ کر سکیں اور اسلامی نظریے کے مطابق حکومت قائم کر سکیں۔ ۱۹۴۲ء میں کرپس مشن آیا جو ناکام رہا۔ ۱۹۴۲ء میں کانگریس نے "ہندوستان چھوڑ" تحریک چلائی۔ ۱۹۴۳ء میں دہلی میں اور ۱۹۴۴ء میں کراچی میں مسلم لیگ کے فقید المثال اجلاس ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس کے بعد مرکزی انتخابات میں سو فی صد اور صوبائی انتخابات میں غالب اکثریت میں مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔ مرکزی عارضی گورنمنٹ میں مسلم لیگ نے حصہ لیا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کا اعلان ہوا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں نے پاکستان کو حاصل کر لیا۔ غرض مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ جدوجہد کے بعد ان کو آزاد وطن پاکستان حاصل ہوا اور یہ ان کی جدوجہد آزادی کا ایک ہلکا سا خاکہ ہے۔

انڈونیشیا

از شاہد حسین رزاقی

یہ کتاب جمہوریہ انڈونیشیا کا ایک مکمل خاکہ ہے جس کے مختلف ابواب میں تاریخی تسلسل سے اس ملک کے حالات اور اہم واقعات قلم بند کیے گئے ہیں اور دینی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی تحریکِ جنگِ آزادی اور قومی اتحاد و استحکام کی جدوجہد، نئے دور کے مسائل اور قومی تعمیر و ترقی کے امکانات جیسے تمام اہم پہلوؤں پر اس انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ انڈونیشیا کے ماضی، حال اور مستقبل کا نہایت واضح نقشہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن طبع ہو گیا ہے جس میں ۱۹۷۷ء تک کے حالات و واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔

صفحات ۴۶۴ قیمت ۱۵/- روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور